فقہ حنفی کے بارہ اہم مسائل کے متعلق

چالیس ۴۰ احادیث

مؤلف

مفتی محمد جاوید قاسمی بہارپوری

سابق معین المدرسین دارالعلوم دیوبند

واستاذ حدیث جامعہ بدرالعلوم گڈھی دولت

ناشر

مدرسہ عربیہ علوم القرآن جمنور آندھرا پردیش

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا لَا مَزِیْدَ لَہٗ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔

اللہ رب العزت کا بے پایاں انعام واحسان ہے کہ اس نے قرآن وسنت کی حفاظت کے لئے ہر دور میں رجالِ کار کو منتخب فرمایا، اور علماءِ امت نے متعدد موضوعات پر مشتمل چہلِ حدیث کے مجموعے مرتب کئے اور حفظ حدیث کی فضیلت حاصل کی ہے۔ پیش نظر ''رسالۂ چہل حدیث'' اپنی مثال آپ ہے اس کی انفرادیت بے نظیر ہے، دورِ حاضر میں جب کہ امت کو بنیادی مسائل سے متعلق احادیث تک کا علم نہیں ہے، ایسے میں یہ مختصر رسالہ بے حد مفید ہے، اگر باشعور افراد اور طلباء مدارس کو یہ احادیث یاد رہیں تو انشاء اللہ بہت ہی مفید ثابت ہوگا، نیز مساجد میں بھی کسی نماز کے بعد ایک ایک حدیث پڑھ کر سنا دی جائے تو عوام کو مسائل کے سمجھنے میں اطمینانِ قلب حاصل ہوگا۔

بہت ہی قابلِ مبارک باد ہیں صدیقِ مکرم، صاحب السعادۃ جناب مولانا مفتی جاوید صاحب قاسمی زید فضلہٗ استاذِ حدیث جامعہ بدر العلوم، گڑھی دولت- کہ انہوں بڑی عرق ریزی کے ساتھ یہ مجموعہ مرتب فرمایا، اور اجلۂ علماء سے داد وتحسین حاصل کیا، مفتی صاحب موصوف نے اس گراں مایہ رسالہ کی اشاعت کا موقعہ مدرسہ عربیہ علوم القرآن، گنگور آندھرا پردیش کو عنایت فرما کر حدیثِ پاک کی خدمت کا ایک سنہرا موقع دیا ہے۔ اللہ رب العزت اس خدمت کو قبول فرمائے، اور مزید توفیق عطا فرمائے۔ نیز اس کتاب کو مؤلفِ محترم اور معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔ فقط

(مفتی) محمد مجاہد الاسلام قاسمی
خادم مدرسہ عربیہ علوم القرآن، گنگور۔ (اے، پی)

تقریظ

حضرت الاستاذ مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی دامت برکاتہم

استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا۔ وبعد! اس میں شبہ نہیں کہ فروعی مسائل میں اختلاف دورِ صحابہ سے چلا آرہا ہے، اور یہ اختلاف بے شک امت کے لیے باعثِ رحمت ہے، بشرطیکہ اختلاف صرف اختلاف کی حد تک رہے، شقاق ونزاع کی شکل اختیار نہ کرے، فقہائے مجتہدین اوران کے متبعین کے باہمی اختلافات چوں کہ تعددِ ادلہ، تعددِ سنت یا نص فہمی میں قواعدِ عربیت اور دلالتِ بیان وغیرہ کے مختلف تقاضوں کی بنیاد پر ہوئے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل ان کے شاملِ حال رہا، اس لیے ان کے آپسی اختلافات ایک دوسرے سے دوری، نفرت اور تضلیل وتفسیق کا سبب نہیں بنے۔

اس کے برعکس جن گروہوں میں گروہی عصبیت اور رحمت خداوندی سے محرومی رہی، انہوں نے جانب مخالف میں کھلی اور واضح دلیل ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی تضلیل وتفسیق؛ بلکہ تکفیر تک سے دریغ نہیں کیا، اس وقت فرقۂ غیر مقلدین اپنے نشۂ عمل بالحدیث میں کچھ ایسا بے خود ہے کہ اسے ساری امت گمراہ اور حدیث نبوی کی دشمن نظر آرہی ہے، جب کہ تمام ائمہ مجتہدین نے اپنے فقہی مسائل کا مدار قرآن وحدیث کی کسی نہ کسی نص یا عمل متوارث پر رکھا ہے۔

اس وقت جن اختلافی مسائل کو اس فرقہ نے امت میں انتشار پیدا کرنے کے لیے منتخب کیا ہے اوران کے متعلق شور مچاتے ہیں کہ ان میں حنفیہ کا موقف حدیث کے خلاف ہے ایسے بارہ مسائل کا انتخاب کرکے عزیز محترم جناب مولانا مفتی محمد جاوید صاحب قاسمی استاذِ حدیث جامعہ بدرالعلوم گڑھی دولت نے احادیث شریفہ کا ایک آسان فہم مجموعہ ترتیب دیا ہے، اوران احادیث کی تحقیق وتخریج کے ساتھ متعلقہ مسائل پر دلالت اوراس کی نوعیت کو بھی اچھی طرح واضح فرمایا ہے۔

امید ہے کہ اس رسالہ سے طلبۂ مدارس، پڑھے لکھے عوام؛ بلکہ حضرات اہل علم کو نفع پہنچے گا، اور متعلقہ مسائل میں غلط فہمی کے ازالہ کے لیے یہ رسالہ مفید ومعاون ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبولیت عامہ سے سرفراز فرمائے اور مؤلف زید مجدہ کو دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ فقط

(مفتی) عبداللہ معروفی

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ

پیش لفظ

اس کتابچہ میں فقہ حنفی کے بارہ اہم مسائل (جن کی فہرست شروع میں دے دی گئی ہے) کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس احادیث جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اس جمع وترتیب کے بنیادی طور پر دو مقصد پیش نظر ہیں:

۱-حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے:

"مَنْ حَفِظَ عَلٰی أُمَّتِيْ أَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا مِنْ أَمْرِ دِيْنِهَا، بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فَقِيْهًا، وَكُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَشَاهِدًا۔" (شعب الایمان بیہقی، حدیث نمبر ۱۵۹۷)(۱)

ترجمہ: جو شخص میری امت کے لیے ان کے دینی امور کے متعلق چالیس احادیث محفوظ کرے گا، اللہ تعالی اس کو فقیہ بنا کر اٹھائے گا، اور میں قیامت کے روز اس کے لیے شفارسی اور گواہ بنوں گا۔

بندے کی دیرینہ تمنا تھی کہ امور دینیہ کے متعلق چالیس احادیث جمع کرکے اس فضیلت کو حاصل کیا جائے، زیر نظر کتابچہ اسی آرزو کی تکمیل کی ایک ادنی کوشش ہے۔

۲-غیر مقلدین کی جماعت اس وقت اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے ساتھ پوری دنیا میں سرگرم ہے اور حدیث پر عمل کے عنوان سے سادہ لوح عوام اور کم پڑھے لکھے طبقے کو گم راہ کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہے۔ یہ لوگ نہ صرف خود چند احادیث پر عمل کرتے اور باقی احادیث سے صرف نظر کرتے ہیں؛ بلکہ عام مسلمانوں کو اس دھوکہ اور فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ فقہ حنفی احادیث کے خلاف ہے اور اس میں احادیث نبویہ پر رائے اور قیاس کو ترجیح دی گئی ہے؛ حالاں کہ یہ سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

اس فتنے کی گمراہیوں سے بچاؤ کے لیے ہمارے اکابر علماء نے جو مختلف تدابیر پیش کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فقہی مسائل سے متعلق کچھ احادیث منتخب کرکے طلبہ کو زبانی یاد کرائی جائیں، چناں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ نے تحفظ سنت کانفرس منعقدہ ۲، ۳/مئی ۲۰۰۱ء میں اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا تھا:

"مدارس ومکاتب کے ذمہ داروں کو نصاب تعلیم میں کچھ منتخب احادیث جن کا تعلق فقہی

---

(۱) اس حدیث کو [الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ] امام بیہقی نے "شعب الایمان" (رقم: ۲۵۹۶، ۱۵۹۷) میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابودرداءؓ سے، ابن عبد البر نے "جامع بیان العلم" (رقم: ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۸) میں حضرت ابن عمرؓ، حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے، امام ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (۴/۱۸۹) میں حضرت ابن مسعودؓ سے اور ابن عساکر نے "معجم ابن عساکر" (رقم: ۳۱۶) میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے۔

مسائل سے ہو ضرور شامل کرنا چاہئے، ان احادیث کو طلبہ زبانی یاد کریں اور ان کے ترجمہ و معنی سے بھی واقف ہوں، تاکہ ان کو شروع ہی سے یہ احساس ہو کہ جس مذہب کی وہ تقلید کرتے ہیں اس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے۔" (۱)

اسی بنیادی مقصد کے پیش نظر اپنے احباب کے مشورے سے بندے نے چالیس احادیث کا یہ مجموعہ تیار کیا ہے، تاکہ ان احادیث کو یاد کر کے ہمارے طلبہ اس فتنے کے مقابلے لیے تیار ہو سکیں۔

جن امور کا ترتیب کے دوران لحاظ کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱- جن مسائل کو غیر مقلدین زیادہ اچھالتے ہیں صرف انہی کو لیا گیا ہے۔

۲- ہر مسئلے کے متعلق تمام احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا؛ بلکہ صرف چند ایسی احادیث لانے کی کوشش کی گئی ہے جو قابل استدلال ہونے کے ساتھ ساتھ اس مسئلے کے متعلق صریح بھی ہوں۔

۳- ہر حدیث اعراب کے ساتھ لکھنے کے بعد، اس کا عام فہم ترجمہ دیا گیا ہے۔

۴- ہر حدیث کی مصادر اصلیہ سے تخریج کا اہتمام کیا گیا ہے۔ حدیث کے "صحیحین" (بخاری و مسلم) دونوں یا ان میں سے کسی ایک میں مل جانے کی صورت میں دیگر کتب حدیث سے تخریج کا التزام نہیں کیا گیا، ایسے مواقع میں صرف صحیحین یا دونوں میں سے جس میں مطلوبہ حدیث ملی اسی سے تخریج پر اکتفا کیا گیا ہے۔ "صحیحین" کے بعد "سنن اربعہ" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) میں حدیث کے مل جانے کی صورت میں عموماً "مسند احمد" اور "مستدرک حاکم" کے علاوہ کسی دوسری کتاب کی طرف رجوع نہیں کیا گیا۔ اگر "صحیحین" اور سنن اربعہ میں حدیث نہ مل سکی تو پھر عام کتب حدیث سے حدیث کی تخریج کا التزام کیا گیا ہے۔

۵- ائمہ فن کی تصریحات کی روشنی میں، ہر حدیث کا درجہ متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۶- ایک مسئلے کے متعلق مطلوبہ احادیث لانے کے بعد حاشیہ میں ان کی ضروری تشریح کا التزام کیا گیا ہے۔ "حدیث فطرت" کی تشریح اختصار کے ساتھ حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی کتاب: "ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں" سے لی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ بندے کی اس حقیر کاوش کو شرف قبول عطا فرما کر، اس کے افادہ کو عام و تام فرمائے اور اسے بندے کے لیے سعادت دارین کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

محمد جاوید قاسمی غفرلہ

۱۳/ رمضان ۱۴۳۴ھ بروز منگل

(۱) غیر مقلدیت اسباب وتدارک، ص: ۱۱۴، مؤلفہ: حضرت الاستاذ مفتی عبداللہ معروفی صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز میں ''آمین'' آہستہ کہنے کا حکم

حدیث (۱): عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيهِ: "أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا بَلَغَ {غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ}، قَالَ: آمِيْن، وَأَخْفٰى بِهَا صَوْتَه"۔ (مسند احمد ۴/ ۳۱۶، مستدرک حاکم ۲/ ۲۳۲، رقم: ۲۹۱۳، امام حاکم فرماتے ہیں: کہ اس کی سند صحیح ہے)

ترجمہ: علقمہ اپنے والد حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ {غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ} پر پہنچے، تو آپ نے ''آمین'' آہستہ آواز سے کہی۔

حدیث (۲): عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "إِذَا قَالَ الْإِمَامُ {غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ} فَقُوْلُوْا: آمِيْنَ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَقُوْلُ: آمِيْن، وَإِنَّ الْإِمَامَ يَقُوْلُ: آمِيْن، فَمَنْ وَافَقَ تَامِيْنُه تَامِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَه مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه"۔ (مسند احمد ۲/ ۲۳۳، نسائی، رقم: ۹۲۸، دارمی، رقم: ۱۲۴۶، صحیح ابن حبان ۳/ ۱۴۶، رقم: ۱۸۰۱)(۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب امام {غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ} کہے، تو تم ''آمین'' کہو، اس لئے کہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، اور امام بھی ''آمین'' کہتا ہے، جس شخص کا ''آمین'' کہنا فرشتوں کے ''آمین'' کہنے کے موافق ہوگیا، اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔(۲)

(۱) علامہ نیموی فرماتے ہیں: کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن ۱/ ۱۹۱)

(۲) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نمازی کے لئے -خواہ وہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد- {وَلَا الضَّالِّيْنَ} کے بعد ''آمین'' آہستہ کہنا سنت ہے۔ حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث تو اس مسئلے میں بالکل صاف ہے، اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے؛ کیوں کہ اگر ''آمین'' زور سے کہنے کا حکم ہوتا تو یہ کہنے

نماز میں رفع یدین کا حکم

حدیث (۳): عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: "مَالِيْ أَرَاكُمْ رَافِعِيْ أَيْدِيْكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ، اُسْكُنُوْا فِي الصَّلَاةِ"۔ (صحیح مسلم ،رقم: ۴۳۰)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، تو آپ نے فرمایا کہ: "کیا بات ہے کہ میں تمہیں ایسے ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جیسے وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دم ہوں، نماز میں سکون اختیار کرو"۔ (۱)

حدیث (۴): عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ: أَلَا أُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَصَلّٰى، فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِيْ أَوَّلِ مَرَّةٍ۔

(ترمذی، رقم: ۲۵۷، امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے، اور ابن حزم ظاہری نے "المحلّٰی بالآثار" (۳/ ۴) میں صحیح کہا ہے، ابن الترکمانی کہتے ہیں: اس کے تمام رواۃ صحیح مسلم کے راوی ہیں)

= کی ضرورت نہیں تھی کہ: "امام بھی آمین کہتا ہے"۔

اور رہا یہ سوال کہ حضرت وائل بن حجر کی ایک دوسری روایت میں صراحت ہے کہ "آپ نے آمین زور سے کہی"؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں آپ کا زور سے آمین کہنا تعلیم کی غرض سے تھا، آپ کا یہ مستقل عمل نہیں تھا، چناں چہ بعض روایات میں اس کی صراحت ہے، حضرت وائل فرماتے ہیں: "مَاأَرَاهُ إِلَّا يُعَلِّمُنَا" میرا خیال ہے کہ آپ کا مقصد ہمیں تعلیم دینا تھا۔ (اعلاء السنن ۲ / ۲۵۵، ط: اشرفی دیوبند)

نیز حضرت عمر فاروق، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود بھی "آمین" آہستہ کہتے تھے۔ (طحاوی ۱/ ۹۹) (المعجم الکبیر، رقم ۹۲۹۷)؛ بلکہ امام طبری فرماتے ہیں کہ "اکثر صحابہ اور تابعین کا یہی عمل تھا۔ (اعلاء السنن ۲ / ۲۵۵، ط: کراچی)، اور یہی علمائے احناف کا مذہب ہے۔

(۱) یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے کی ممانعت ہے، نہ کہ مطلق ہاتھ اٹھانے کی، جیسا کہ مسلم شریف میں عبید اللہ بن قبطیہ کی روایت میں اس کی صراحت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں، اور اگر ایک تسلیم کرلیں تب بھی یہ حدیث ترکِ رفع کی دلیل ہوگی؛ اس لئے کہ جب سلام کے وقت سکون مطلوب ہے، حالاں کہ وہ نماز سے نکلنے کی حالت ہے، تو عین درمیان نماز میں سکون اس سے کہیں زیادہ مطلوب ہوگا۔ (اعلاء السنن ۳/ ۵۶-۵۷، ط: اشرفی دیوبند)

ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: کیا میں تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جیسی نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر انہوں نے نماز پڑھائی، اور سوائے پہلی مرتبہ (یعنی تکبیر تحریمہ) کے، کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے۔

حدیث (۵): عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا [قَالَ بَعْضُهُمْ: حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ]، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ وَبَعْدَ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ لَا يَرْفَعُهُمَا۔

(صحیح ابوعوانہ، رقم: ۱۲۴۰، "صحیح ابوعوانہ" کی احادیث کا صحیح ہونا سب کو تسلیم ہے)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے، یہاں تک کہ ان کو مونڈھوں کے بالمقابل کر دیتے، پھر رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

حدیث (۶): عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلٰى قَرِيْبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ لَا يَعُوْدُ۔

(سنن ابوداؤد، رقم: ۷۴۹، یہ حدیث حسن ہے)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک اپنے ہاتھ اٹھاتے، پھر (پوری نماز میں) کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔[1]

---

(۱) حدیث ۳ سے حدیث ۶ تک تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا حکم ہے، رکوع میں جاتے وقت یا رکوع سے اٹھتے وقت یا کسی اور موقع پر ہاتھ اٹھانے کا حکم نہیں۔
صحابہ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور عشرہ مبشرہ اور تابعین کی ایک معتدبہ جماعت؛ مثلاً: ابراہیم نخعی، اسود، علقمہ، امام شعبی، عبد الرحمن بن ابی لیلی، قیس بن حازم وغیرہ بھی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور یہی علمائے احناف کا مذہب ہے۔ (اوجز المسالک ۱/ ۲۰۲)

مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قراءت کرنے کا حکم

حدیث (۷): عَنْ أَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ مرفوعًا: إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوْا صُفُوْفَكُمْ، ثُمَّ لِيَؤُمَّ أَحَدُكُمْ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، فَإِذَا قَالَ {غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ}، فَقُوْلُوْا: آمِيْنَ۔۔۔ وَعَنْ قَتَادَةَ: "وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا"۔

(صحیح مسلم، رقم: ۴۰۴، مسند احمد ۴/ ۴۱۵، امام احمد اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)(۱)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: "جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اپنی صفیں سیدھی کرلو، پھر تم میں سے کوئی امامت کرے، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ {غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ} کہے، تو تم آمین کہو"۔ اور حضرت قتادہ کی سند سے یہ زیادتی بھی مروی ہے کہ: "جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو"۔

حدیث (۸): عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: "إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ"۔

(نسائی، رقم: ۹۲۲، ابن ماجہ، رقم: ۸۴۶، امام مسلم نے "صحیح مسلم" (۱/ ۱۷۴) میں اس کو صحیح کہا ہے، نیز امام احمد، امام طبری اور ابن حزم ظاہری نے بھی اس کو صحیح کہا ہے)(۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "امام کو صرف اسی لئے بنایا گیا ہے تا کہ اُس کی اقتداء کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب قراءت کرے تو تم خاموش رہو، اور جب "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہے تو تم

(۱) فتح الباری ۲/ ۲۰، الجوہر النقی ۱/ ۱۵۳　　(۲) اعلاء السنن ۴/ ۶۵

نوٹ: "وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا" کی روایت میں ابو خالد متفرد نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے؛ بلکہ ابو سعد محمد بن سعد اشہلی ان کے متابع موجود ہیں، امام نسائی نے دونوں کے طریق سے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

"اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہو"۔

حدیث (۹): عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كل من كانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَتُهُ لَهُ قِرَاءَةٌ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۳۸۲۳، موطا امام محمد ص: ۹۸، رقم: ۱۲۵، اس کی سند صحیح ہے)(۱)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: "ہر وہ شخص جس کے لئے کوئی امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لئے کافی ہے" (یعنی اسے الگ سے قراءت کرنے کی ضرورت نہیں)۔

حدیث (۱۰): عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "تَكْفِيكَ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ، خَافَتَ أَوْ جَهَرَ"۔ (سنن الدارقطنی، رقم: ۱۲۵۲، اس حدیث کی سند حسن ہے)(۲)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: "تمہارے لئے امام کی قراءت کافی ہے، خواہ وہ آہستہ قراءت کرے یا زور سے"۔(۳)

وتر میں تین رکعات

حدیث (۱۱): عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ لَا يُسَلِّمُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْوِتْرِ۔

---

(۱) الجوہر النقی ص: ۱۵۴، عمدۃ القاری ۳/ ۸۶

(۲) دیکھئے: اعلاء السنن ۴/ ۹۴

(۳) یہ چاروں احادیث [حدیث ۷ سے حدیث ۱۰ تک] صاف طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مقتدی کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ -خواہ سری نماز ہو یا جہری- امام کے پیچھے قراءت نہ کرے، نہ سورہ فاتحہ پڑھے اور نہ کوئی دوسری سورت؛ بلکہ خاموش رہے، اس کے لئے امام کی قراءت کافی ہے۔

خلفائے راشدین بھی امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع کرتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق، رقم: ۲۸۱۰)

عامر شعبی کہتے ہیں کہ: میں نے ستر بدری صحابہ کو پایا ہے وہ سب امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔ (روح المعانی ۹/ ۱۵۲) اور یہی علمائے احناف کا مذہب ہے۔

(۴) حاکم کہتے ہیں کہ: یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور امام ذہبی نے بھی حاکم کی موافقت کی ہے۔

(نسائی، رقم:۱۶۹۹، مستدرک حاکم ۱/ ۳۰۴، رقم:۱۱۳۹)(۴)

وفِي رِوَايَةٍ عَنهَا: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُوتِرُ بِثَلاثٍ، لَايُسَلِّمُ إلَّا فِيْ آخِرِهِنَّ۔
(مستدرک حاکم ۱/ ۳۰۴، رقم:۱۱۴۰) (۱)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

اور ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے، اور ان کے آخر ہی میں سلام پھیرتے تھے۔

حدیث (۱۲): عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰى، وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ، وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، وَلَا يُسَلِّمُ إلَّا فِي آخِرِهِنَّ۔ ۔ ۔ ۔ (نسائی، رقم:۱۷۰۲)(۲)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ وتر (کی پہلی رکعت) میں {سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰى}، دوسری رکعت میں {قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ} اور تیسری رکعت میں {قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ} پڑھتے تھے، اور ان کے صرف آخر ہی میں سلام پھیرتے تھے۔

حدیث (۱۳): عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْوِتْرِ بِ{سَبِّحِ اسْمِ رَبِّکَ الْأَعْلٰى}، وَ{قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ}، وَ{قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ} فِي رَكْعَةٍ رَكْعَةٍ۔
(ترمذی، رقم:۴۶۲، نسائی، رقم:۱۷۰۳، ابن ماجہ، رقم:۱۱۷۲)(۳)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) اس حدیث کو امام حاکم بطور استشہاد لائے ہیں، اور امام ذہبی نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث حسن ہے۔ (اعلاء السنن ۶/ ۳۰)

(۲) علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ: اس کی سند صحیح ہے۔ (اعلاء السنن ۶/ ۴۲) اور علامہ شوکانی نے "نیل الاوطار" (۳/ ۳۸، ط: بیروت) میں لکھا ہے کہ: اس کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے عبدالعزیز بن خالد کے، کہ وہ مقبول راوی ہے۔

(۳) امام نووی فرماتے ہیں کہ: اس کی سند صحیح ہے، اور امام عراقی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ (اعلاء السنن ۶/ ۴۱)

وتر میں {سَبِّحِ اِسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی}، {قُلْ یَا أَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ} اور {قُلْ ھُوَ اللّٰہُ أَحَدٌ} ایک ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔

حدیث (۱۴): عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ وَابْنَ عَبَّاسٍ کَیْفَ کَانَ صَلَاۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ بِاللَّیْلِ؟ فَقَالَا: ثَلَاثَ عَشَرَ رَکْعَۃً، ثَمَانٍ، وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ، وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْفَجْرِ۔ (طحاوی ۱/۱۶۵، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)(۱)

ترجمہ: شعبیؒ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معلوم کیا کہ آپ ﷺ رات میں کتنی رکعت پڑھتے تھے؟ تو دونوں نے فرمایا کہ: تیرہ رکعت: آٹھ رکعت (تہجد کی)، اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے، اور دو رکعت فجر کے بعد (یعنی فجر کی سنتیں)۔(۲)

دو نمازیں ایک ساتھ پڑھنے کا حکم

حدیث (۱۵): عَنْ أَبِیْ قَتَادَۃَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: "إِنَّہُ لَیْسَ فِی النَّوْمِ تَفْرِیْطٌ، إِنَّمَا التَّفْرِیْطُ عَلٰی مَنْ لَمْ یُصَلِّ حَتّٰی یَجِیْئَ وَقْتُ الصَّلَاۃِ الْأُخْرٰی۔

(۱) اعلاء السنن ۶/۴۵

(۲) یہ چاروں احادیث [حدیث ۱۱ سے حدیث ۱۴ تک] اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وتر کی تین رکعات ہیں، اور حدیث ۱۱، ۱۲ صاف طور پر اس پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ تینوں رکعات ایک سلام سے پڑھی جائیں گی۔

حضرت عمر فاروقؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت انسؓ بھی وتر تین رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے۔

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ: "ہمیں صحابہ کرام نے اس بات کی تعلیم دی کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کے مانند ہے، محض اتنا فرق ہے کہ ہم وتر کی تیسری میں بھی قراءت کرتے (سورت ملاتے) ہیں، یہ رات کا وتر ہے اور وہ (یعنی نماز مغرب) دن کا وتر ہے"۔

ابو الزناد کہتے ہیں کہ: "مدینے کے فقہاء سبعہ اور دیگر مشائخ مدینہ سے ہم نے یہ محفوظ کیا ہے کہ وتر کی تین رکعت ہیں، ان میں سے آخری رکعت کے علاوہ کسی اور رکعت میں سلام نہیں پھیرا جائے گا"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اہل مدینہ کا اس پر اجماع ہو چکا تھا۔ (اعلاء السنن ۶/۴۶)

(صحیح مسلم، رقم: ۶۸۱)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: ''نیند میں کوتاہی نہیں ہے، کوتاہی تو اس شخص کی جانب سے ہے جو نماز نہ پڑھے یہاں تک دوسری نماز کا وقت آجائے''۔

حدیث (۱۶): عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُصَلِّیْ الصَّلَاۃَ لِوَقْتِھَا، إِلَّا بِجَمْعٍ وَعَرَفَاتٍ۔ (نسائی، رقم: ۳۰۱۳، یہ حدیث صحیح ہے)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نماز وقت پر پڑھتے تھے، سوائے ''مزدلفہ'' اور ''عرفہ'' کے (کہ حج کے موقع پر آپ نے ''مزدلفہ'' میں مغرب اور عشاء اور ''عرفہ'' میں ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھی)۔[1]

حدیث (۱۷): عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِی السَّفَرِ یُؤَخِّرُ الظُّھْرَ وَیُقَدِّمُ الْعَصْرَ، وَیُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَیُقَدِّمُ الْعِشَاءَ۔

(طحاوی ۱/ ۹۷، مسند احمد ۶/ ۱۳۵، یہ حدیث حسن ہے)[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ سفر میں ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کر کے پڑھتے تھے، اور مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کر کے پڑھتے

---

(۱) یہ روایت ''سنن ابوداؤد'' (رقم: ۱۹۳۴) میں بھی صحیح سند کے ساتھ ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: مَارَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ صَلّٰی صَلَاۃً إِلَّا لِوَقْتِھَا، إِلَّا بِجَمْعٍ فَإِنَّہٗ جَمَعَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ، وَصَلّٰی صَلَاۃَ الصُّبْحِ مِنَ الْغَدِ قَبْلَ وَقْتِھَا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کوئی بھی نماز بے وقت پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، سوائے ''مزدلفہ'' کے، کہ آپ نے ''مزدلفہ'' میں مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھا، اور اگلے دن صبح کی نماز اس کے وقت (یعنی روزانہ جس وقت پڑھنے کا معمول تھا اس سے کچھ) پہلی پڑھی۔ ناصر الدین البانی نے بھی ''نسائی'' اور ''ابوداؤد'' دونوں کی روایتوں کو صحیح کہا ہے۔

(۲) آثار السنن ۲/ ۳۷، نیز علامہ عینی فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن اور عمدہ ہے۔ (نخب الافکار ۲/ ۲۱۲، ط: دیوبند)

(۳) یعنی ظہر کو آخر وقت میں اور عصر کو اول وقت میں پڑھتے تھے اور اسی طرح مغرب کو آخر وقت میں اور عشاء کو اول وقت میں پڑھتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی عذر ہو تو جمع صوری کرنا جائز ہے۔

تھے۔ (۳)

حدیث (۱۸): عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قال: "مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَقَدْ أَتَى بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْكَبَائِرِ۔ (ترمذی، رقم:۱۸۸)(۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: "جس شخص نے بلا عذر دو نمازیں ایک ساتھ پڑھی اس نے گناہ کبیرہ کیا۔ (۲)

تشہد میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ

حدیث (۱۹): عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، قُلْتُ: لَأَنْظُرَنَّ إِلَى صَلَاةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَلَمَّا جَلَسَ يَعْنِيْ لِلتَّشَهُّدِ، اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى يَعْنِيْ عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى۔

(ترمذی، رقم:۲۹۲، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر علماء کا اسی پر عمل ہے)

(۱) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: اس کی سند میں حنش حسین بن قیس ہے اور وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، امام احمد وغیرہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اھ۔ لیکن اس کے برخلاف امام حاکم نے بھی "مستدرک" (۱/۲۷۵، رقم:۱۰۲۰) میں اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ: حنش بن قیس ثقہ ہے۔ نیز حنش کے متعلق ابو محصن نے شیخ صدوق کہا ہے جو توثیق کے الفاظ میں سے ہیں۔

علاوہ ازیں اس کا ایک موقوف شاہد بھی موجود ہے جو حکما مرفوع ہے، ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ: حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ: "بلا عذر دو نمازیں ایک ساتھ پڑھنا گناہ کبیرہ ہے"۔ (مصنف عبدالرزاق، رقم:۲۰۳۵) اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔ اس پوری تفصیل کو سامنے رکھ کر وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث اگر صحیح نہیں تو کم از کم حسن ضرور ہے۔

(۲) حدیث ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا ضروری ہے، جمع تقدیم (یعنی وقت سے پہلے نماز پڑھنا) کسی بھی صورت میں جائز نہیں، اور جمع تاخیر (یعنی نماز کو مؤخر کر کے دوسرے وقت میں پڑھنا) اور جمع صوری (ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھنا) اگر کوئی معقول عذر ہو تو جائز ہے اور عام حالات میں جائز نہیں۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں مدینہ آیا، تو میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ میں ضرور حضور ﷺ کی نماز دیکھوں گا، (میں نے دیکھا کہ) جب آپ تشہد کے لئے بیٹھے تو آپ نے بایاں پیر بچھالیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھ لیا، اور دایاں پیر کھڑا کرلیا۔ (۱)

حدیث (۲۰): عَنْ عَائِشَةَ -فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ-: كَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى۔ (صحیح مسلم، رقم ۴۹۸)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ: آپ ﷺ (قعدہ میں) بایاں پیر بچھالیتے اور دایاں پیر کھڑا کرلیا کرتے تھے۔

حدیث (۲۱): عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْإِقْعَاءِ وَالتَّوَرُّكِ فِي الصَّلَاةِ۔ (مسند احمد ۳/ ۲۳۳، سنن بیہقی ۲/ رقم: ۲۷۰۴، اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: نبی اکرم ﷺ نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے۔ (۲)

حدیث (۲۲): عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ -فِي حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ- إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلَاةِ: أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتَثْنِيَ رِجْلَكَ الْيُسْرٰى۔ (صحیح بخاری، رقم ۸۲۷) (۳)

---

(۱) یہ حدیث "شرح معانی الآثار" (۱/ ۱۵۲، ط: غزالی بک ڈپو دیوبند) اور "سنن سعید بن منصور" میں بھی صحیح سند کے ساتھ آئی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ "آپ بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھ گئے"۔ (اعلاء السنن ۳/ ۹۲)

(۲) اقعاء کی صورت یہ ہے کہ: کتے کی طرح دونوں گھٹنے کھڑے کرکے سرین زمین پر رکھ کر بیٹھے۔

تورک کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ دایاں پیر کھڑا کرکے بایاں پیر اس کے نیچے سے دائیں جانب نکال دے اور سرین پر بیٹھے۔ یہ صورت حضرت ابو حمید ساعدیؓ کی روایت میں آئی ہے۔ دیکھئے: صحیح بخاری (رقم: ۸۳۸)۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں پیر دائیں جانب نکال دے۔ یہ صورت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حدیث میں آئی ہے۔ دیکھئے: صحیح مسلم (رقم: ۵۷۹)

(۳) اسی طرح کی ایک روایت "موطا امام مالک" (ص: ۳۰) میں عبداللہ بن دینار سے نقل کی گئی ہے، اس میں قعدہ اخیرہ کی صراحت ہے؛ لہٰذا جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ جن احادیث میں افتراش کا ذکر ہے وہ قعدۂ اولی کے ساتھ خاص ہیں، ان کا یہ قول سراسر غلط اور صحیح احادیث وآثار کے خلاف ہے۔

(۴) حدیث ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲ سے ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کے لئے قعدہ میں -خواہ قعدۂ اولی ہو یا قعدۂ ثانیہ- بیٹھنے

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما -ایک طویل حدیث میں- فرماتے ہیں کہ: نماز کا سنت طریقہ یہ ہے کہ تم اپنا دایاں پیر کھڑا کرو اور بایاں پیر موڑ لو (یعنی زمین پر بچھا لو)۔ (۴)

تراویح میں بیس رکعات

حدیث (۲۳): عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ: "أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي الْمَسْجِدِ، فَصَلّٰى بِصَلَاتِهٖ نَاسٌ، ثُمَّ صَلّٰى مِنَ الْقَابِلَةِ فَكَثُرَ النَّاسُ، ثُمَّ اجْتَمَعُوْا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ، فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ: قَدْ رَأَيْتُ الَّذِيْ صَنَعْتُمْ، وَلَمْ يَمْنَعْنِيْ مِنَ الْخُرُوْجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْكُمْ، وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ"۔ (صحیح بخاری، رقم:۱۱۲۹)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی، تو کچھ اور لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں وہ نماز پڑھی، پھر اگلی رات آپ نے نماز پڑھائی تو لوگ اور زیادہ ہوگئے، پھر تیسری یا چوتھی رات میں لوگ اکٹھے ہوئے؛ لیکن آپ تشریف نہیں لائے، جب صبح ہوئی تو آپ نے (لوگوں سے) فرمایا کہ: "جو تم لوگوں نے (اس نماز کے متعلق اپنا شوق ظاہر) کیا میں نے اسے دیکھا، اور تمہارے

= کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دایاں پیر کھڑا کرلے اور بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھ جائے۔ البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے اس طرح بیٹھنا دشوار ہو تو پھر جس طرح سہولت ہو اس طرح بیٹھ سکتا ہے۔ اور جن احادیث میں تورک یا بیٹھنے کی کسی اور ہیئت کا ذکر ہے وہ عذر کی حالت پر محمول ہیں۔ اور یہی علمائے احناف کا مذہب ہے۔

(۱) "ترمذی" (رقم:۸۰۶) میں صحیح سند کے ساتھ اسی طرح کی روایت حضرت ابوذرؓ سے بھی مروی ہے، اس میں صراحت ہے کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں آپ ﷺ نے ایک ایک دن چھوڑ کر تین دن تک یہ نماز پڑھائی۔ یہ دونوں روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان میں آپ نے تین دن تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھائی؛ لیکن ان تین دنوں میں آپ نے کتنی رکعات پڑھائیں؟ حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" (۱۲/۴، ط: بیروت) میں، امام ابن تیمیہ نے اپنے "فتاویٰ" (۲۷۲/۲، مجمع الملک فہد) میں اور علامہ شوکانی نے "نیل الاوطار" (۳/۶۶، مصر) میں لکھا ہے کہ: اس کی کوئی متعین تعداد ثابت نہیں۔ =

پاس آنے سے صرف یہ خوف مانع ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کردی جائے"، یہ واقعہ رمضان میں پیش آیا۔ (۱)

حدیث (۲۴): عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فِي

= لیکن اگر اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں تمام صحابہ کا بیس رکعات تراویح پر اجماع ہو چکا ہے، تو وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آپ نے ان تین دنوں میں بھی بیس رکعات پڑھائی تھیں؛ کیوں کہ اگر آپ کا عمل بیس رکعات کا نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ (جو یقیناً ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جنہوں نے تین دن تک آپ ﷺ کے پیچھے تراویح پڑھی تھی) لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں بیس رکعات تراویح پڑھنے کا حکم نہ دیتے؛ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کا حکم دیا اور حضرت ابی بن کعبؓ نے جماعت کے ساتھ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائی، اس وقت صحابہ کثیر تعداد میں موجود تھے، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، ابن عباس، طلحہ، زبیر، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور دیگر مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم موجود تھے، سب نے حضرت عمر کی موافقت کی، ایک نے بھی انکار نہیں کیا۔ جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ سب حضرات جانتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کا عمل بیس رکعت تراویح پڑھنے کا تھا، اور آپ نے ان تین دنوں میں بھی بیس رکعت ہی پڑھائی تھی۔

اور یہی وجہ ہے کہ عہد فاروقی سے لے کر ڈیڑھ سو سال پہلے تک پوری امت مسلمہ بیس رکعت تراویح پڑھتی رہی اور کسی امام اور عالم نے بھی بیس سے کم کی بات نہیں کہی، اور آج بھی بشمول حرمین شریفین پوری دنیا میں اکثر مسلمان بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں۔

اور اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیں کہ بیس رکعت تراویح آپ ﷺ سے ثابت نہیں؛ بلکہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کی سنت ہے اور تمام صحابہ نے انہی کی ہدایت پر اس پر عمل شروع کیا، تو بھی اس پر عمل کرنا پوری امت کے لئے ضروری ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنت پر بھی عمل کرنے کا حکم دیا ہے، چناں چہ "سنن ابوداؤد" (رقم: ۴۶۰۷)، "جامع ترمذی" (رقم: ۲۶۷۶) اور "سنن ابن ماجہ" (رقم: ۴۲) میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ" میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کا اتباع کرو۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: "یہ حدیث حسن صحیح ہے"۔ اور ایک دوسری حدیث میں حضرت حذیفہؓ آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: "اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ: أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ" میرے بعد ابوبکر اور عمر کی پیروی کرو۔ (ترمذی، رقم: ۳۶۶۲)، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: "یہ حدیث حسن ہے۔" ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کی سنت واجب الاتباع ہے، اسی طرح خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی بھی ضروری ہے۔

(۱) اس کے تمام راوی ثقہ ہیں سوائے ابراہیم بن عثمان کے، کہ وہ مختلف فیہ ہے، جمہور اس کو ضعیف کہتے ہیں جب =

غَيْرِ جَمَاعَةٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ"۔

(معجم کبیر، رقم: ۱۲۱۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۷۷۷۴، سنن بیہقی ۲/رقم: ۴۲۸۶، یہ حدیث حسن ہے)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعات (تراویح) اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

حدیث (۲۵): عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ: كُنَّا نَقُوْمُ مِنْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرِ۔

(معرفۃ السنن والآثار بیہقی، رقم: ۱۳۶۵، اس کی سند صحیح ہے)[1]

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں کہ: ہم لوگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں

حدیث (۲۶): عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم

= کہ ابن عدی نے اس کو ابراہیم بن ابی حیہ پر ترجیح دی ہے اور ابراہیم بن ابی حیہ مختلف فیہ اور حسن الحدیث راوی ہے، یحییٰ بن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ تو جو اس سے بہتر ہو وہ بھی کم از کم اسی کی طرح مختلف فیہ اور حسن الحدیث ہوگا۔ اور اگر ہم اس کو ضعیف تسلیم کر بھی لیں تو دور فاروقی میں صحابہ کے اجماع اور امت کے تعامل سے اس کا ضعف دور ہو جائے گا اور یہ حدیث کم از کم حسن لغیرہ ضرور ہوگی۔ دیکھئے: اعلاء السنن (۸۲/۷)

(۱) آثار السنن (۲/۵۴-۵۵)

(۲) "مصنف ابن ابی شیبہ" کے بعض نسخوں میں ناسخین کی غلطی سے "تحت السرۃ" حذف ہوگیا ہے، اس سے دھوکہ نہیں ہونا چاہیے؛ کیوں کہ "مصنف ابن ابی شیبہ" کے متعدد معتبر نسخوں میں "تحت السرۃ" کی زیادتی موجود ہے، علامہ قائم سندھی "الفوز الکرام" میں لکھتے ہیں کہ: "میں نے خود "مصنف ابن ابی شیبہ" کے تصحیح شدہ نسخے میں یہ روایت "تحت السرۃ" کے اضافے کے ساتھ دیکھی ہے"۔ دیکھئے: بذل المجہود (۲/۲۵)

نیز شیخ محمد عوامہ نے "مصنف ابن ابی شیبہ" کے حاشیہ (۳/۳۲۰-۳۲۱) میں لکھا ہے کہ: "شیخ مرتضیٰ زبیدی اور شیخ عابد سندھی کے نسخے میں "تحت السرۃ" کی زیادتی موجود ہے، اور یہی وجہ ہے کہ علامہ قاسم بن قطلوبغا نے اپنی کتاب "التعریف والإخبار بتخریج أحادیث الاختیار" میں یہ حدیث "تحت السرۃ" کے اضافے =

یَضَعُ یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ فِی الصَّلَاۃِ تَحْتَ السُّرَّۃِ۔ (۲)

(مصنف ابن ابی شیبہ/، رقم:۳۹۵۹، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

ترجمہ: علقمہ بن وائل اپنے والد حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے ہیں۔

حدیث (۲۷): عَنْ أَبِیْ جُحَیْفَۃَ: أَنَّ عَلِیًّا قَالَ: اَلسُّنَّۃُ وَضْعُ الْکَفِّ عَلَی الْکَفِّ فِی الصَّلَاۃِ تَحْتَ السُّرَّۃِ (سنن ابوداود، رقم:۷۵۶، یہ حدیث حسن ہے) (۱)

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مسنون طریقہ یہ ہے کہ: نماز میں ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔ (۲)

نماز جنازہ میں ''فاتحہ'' پڑھنے کا حکم

حدیث (۲۸): عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: لَمْ یُوَقِّتْ لَنَا فِی الصَّلَاۃِ عَلَی الْمَیِّتِ قِرَاءَۃً وَلَا قَوْلًا، کَبِّرْ مَا کَبَّرَ الْإِمَامُ، وَأَکْثِرْ مِنْ طَیِّبِ الْقَوْلِ۔

(معجم کبیر طبرانی، رقم: ۹۶۰۴، ۹۶۰۶) (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہمارے لئے نمازِ جنازہ

= کے ساتھ نقل کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ: یہ سند عمدہ ہے''۔

علامہ ابوالطیب بن عبدالقادر سندھی نے بھی اپنی ''ترمذی شریف کی شرح'' میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی کا مذکورہ بالا نقل کیا ہے۔ دیکھئے: اعلاء السنن (۲/ ۱۹۸)

(۱) اعلاء السنن (۲/ ۱۹۳)

(۲) صحابی کا قول: ''من السنة كذا'' مرفوع حدیث کے درجے میں ہوتا ہے۔ (اعلاء السنن ۲/ ۱۹۳)

حدیث ۲۶، ۲۷ سے ثابت ہوگیا کہ مرد کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ، ابومجلز اور ابراہیم نخعی سے بھی یہی مروی ہے (اعلاء السنن ۲/ ۱۹۲-۱۹۳)۔ اور یہی علمائے احناف کا مذہب ہے۔

(۳) امام ہیثمی ''مجمع الزوائد (۳/ ۳۲)'' میں فرماتے ہیں: اس کو امام احمد نے روایت کیا، اور اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔

میں (کسی خاص سورت کی) قراءت اور کوئی خاص کلام مقرر نہیں کیا گیا، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور اچھے کلام کی کثرت کرو۔

حدیث (۲۹): عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُولُ: "إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ۔

(سنن ابوداؤد، رقم: ۳۱۹۹، سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۴۹۷، یہ حدیث حسن ہے)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: "جب تم نمازِ جنازہ پڑھو، تو میت کے لئے دعاء کو خالص کرو"۔

حدیث (۳۰): عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم: "إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْجَنَازَةِ فَاقْرَأُوا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ"۔

(معجم کبیر طبرانی ۲۴/رقم: ۴۱۳)(۱)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب تم جنازہ کی نماز پڑھو، تو (اس میں) "سورہ فاتحہ" پڑھو"۔ (۲)

---

(۱) علامہ ہیثمی (مجمع الزوائد ۳/۳۲) میں فرماتے ہیں: "اس کی سند میں معلّٰی بن حمران ہے، مجھے ان کا تذکرہ نہیں ملا۔"

(۲) حدیث ۲۸ سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں کوئی دعاء یا کسی سورت کی قراءت متعین نہیں ہے۔

نیز حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص تیس صحابہ کرام کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ وہ نماز جنازہ میں کسی خاص چیز کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۸۹)

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق بھی یہی منقول ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص: ۱۰۸)

حضرت علیؓ بھی نماز جنازہ میں اللہ کی حمد، درود اور دعاء پر اکتفاء کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۹۰)

حضرت ابن عمرؓ بھی نماز جنازہ میں "سورہ فاتحہ" نہیں پڑھتے تھے۔ (موطا امام مالک ص: ۷۹)

حدیث ۲۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کا اصل مقصد میت کے لئے دعاء کرنا ہے۔

اسی بناء پر احناف کا مذہب یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں تلاوت وقراءت کی نیت سے "سورہ فاتحہ" یا کوئی اور سورت پڑھنا جائز نہیں؛ البتہ اگر کوئی نماز جنازہ میں دعاء کی نیت سے "سورہ فاتحہ" پڑھے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ جن احادیث میں نماز جنازہ میں "سورہ فاتحہ" پڑھنے کا حکم منقول ہے (جیسا کہ اوپر حدیث نمبر ۳۰ میں یہی حکم ہے) ان میں دعاء کی نیت سے پڑھنا مراد ہے، تلاوت کی نیت سے نہیں۔ تاکہ روایتوں میں کوئی تعارض نہ رہے۔

سر ڈھانپ کر نماز پڑھنے کا حکم

حدیث (۳۱): عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ قَلَنْسُوَةً بَيْضَاءَ۔

(معجم کبیر طبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ۵/۱۲۱، رقم: ۸۵۰۵، یہ حدیث حسن ہے) (۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفید ٹوپی پہنتے تھے۔

حدیث (۳۲): عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: "الشُّهَدَاءُ أَرْبَعَةٌ، رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْإِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ، فَصَدَقَ اللهَ حَتّٰى قُتِلَ، فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَرْفَعُ النَّاسُ أَعْيُنَهُمْ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا، رَفَعَ رَأْسَهُ حَتّٰى وَقَعَتْ قَلَنْسُوَتُهُ، فَلَا أَدْرِيْ قَلَنْسُوَةَ عُمَرَ أَرَادَ أَمْ قَلَنْسُوَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(مسند احمد ۱/ ۲۲-۲۳، جامع ترمذی رقم: ۱۶۴۴، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: "یہ حدیث حسن غریب ہے")

ترجمہ: فضالہ بن عبید حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: "شہید چار طرح کے ہیں، ایک وہ مومن شخص ہے جو اپنے ایمان میں پختہ ہو، دشمن سے مقابلہ کرے اور اللہ سے (اپنا کیا ہوا وعدہ) سچ کر دکھائے، یہاں تک شہید ہوجائے، تو یہ ایسا شخص ہے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف اس طرح اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھیں گے"، انہوں نے اپنا سر اٹھایا یہاں تک کہ ان کی ٹوپی گر گئی، راوی کہتے ہیں کہ

---

(۱) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "الجامع الصغیر" (رقم: ۷۱۶۶) میں اس پر "حسن" کا رمز لگایا ہے۔ اور علامہ ہیثمی "مجمع الزوائد" (۵/۱۲۱) میں فرماتے ہیں کہ: "کہ اس کی سند میں عبد اللہ بن خراش ہے، ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے، نیز لکھا ہے کہ یہ بسا اوقات روایات میں غلطی کرتا تھا، اور جمہور ائمہ نے اس کو ضعیف کہا ہے، اور باقی راوی ثقہ ہیں"۔ اھ اور اسی طرح کی بات حافظ عراقی نے "شرح ترمذی" میں لکھی ہے۔ (فیض القدیر ۵/۲۴۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ راوی مختلف فیہ ہے؛ لہٰذا اس کی روایت حسن ہوگی، بالخصوص جب کہ اس کے متعدد شواہد بھی موجود ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹوپی پہننے کا ذکر ہے۔ دیکھئے: "الجامع الصغیر" (۷۱۶۷، ۷۱۶۸)، "جمع الوسائل" (ص: ۲۰۴)، "بذل المجہود (۵/ ۵۲)

مجھے معلوم نہیں کہ فضالہ بن عبید کی مراد حضرت عمرؓ کی ٹوپی تھی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی۔ (۱)

حدیث (۳۴): قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ: كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُوْنَ عَلَى الْعَمَامَةِ وَ الْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِيْ كُمِّهِ۔ (صحیح بخاری، الصلاۃ/باب ۲۳، ۱/۵۶)

ترجمہ: حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ: لوگ (یعنی صحابہ کرام) پگڑی اور ٹوپی پر سجدہ کرتے تھے، اور ان کے ہاتھ آستین میں ہوتے تھے۔ (۲)

---

(۱) اس روایت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت عمر کے سر پر ٹوپی تھی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں کانوں کو ڈھانپنے والی ٹوپی پہنتے تھے، اور کبھی نماز پڑھتے وقت آپ اس کو اپنے سامنے رکھ لیتے تھے۔ (طبرانی، شعب الایمان بحوالہ جمع الوسائل، ص: ۲۰۴) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین ٹوپیاں تھیں۔ (ابوالشیخ بحوالہ بذل المجہود ۵/۵۲، ط: اشرفی دیوبند) علامہ عراقی "تخریج احادیث احیاء" میں فرماتے ہیں کہ: اس کی سند ضعیف ہے۔

حضرت ابوکبشہ انماریؓ فرماتے ہیں کہ: صحابہ کرام کی ٹوپیاں سر سے چمٹی ہوئی ہوتی تھی۔ (جامع ترمذی، رقم: ۱۷۸۲) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث منکر ہے، اس کی سند میں عبداللہ بن بسر بصری ہے اور یہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، یحی بن سعید وغیرہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کے سر) پر ایک پانچ کلی لمبی (اونچی) ٹوپی دیکھی۔ (مسند امام ابوحنیفہ بروایت ابی نعیم، ۱/۱۳۷) ابونعیم فرماتے ہیں کہ: اس کے روایت کرنے میں ضحاک بن حجر متفرد ہے۔ راقم کہتا ہے کہ ضحاک بن حجر کا حال معلوم نہیں ہوسکا۔

حضرت انسؓ، حضرت وابصہؓ، حضرت ابوموسی اشعریؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، علی بن حسین، سعید بن جبیر اور قاضی شریح سے بھی ٹوپی پہننا روایات سے ثابت ہے۔ دیکھئے بالترتیب: صحیح بخاری ۲/۸۶۳، سنن ابوداؤد ۱/۱۳۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/۵۱۰، طبقات ابن سعد ۳/۲۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/۵۱۰، ۵۴۶

ان میں سے بیش تر روایات اگر چہ ضعیف ہیں؛ لیکن ان کا مجموعہ حسن لغیرہ ہے۔ یہ سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عام حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام ٹوپی پہنتے تھے، تو نماز کی حالت میں بدرجہ اولی اس کا اہتمام کرتے ہوں گے؛ کیوں کہ نماز کے وقت اللہ تبارک وتعالی نے زینت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، چناں چہ ارشاد باری ہے: {خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ} ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ مسجد سے یہاں نماز مراد ہے۔ =

ڈاڑھی کہاں تک رکھنے کا حکم ہے؟

حدیث (۳۴): عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "أَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحٰی"۔

(صحیح بخاری، رقم: ۵۸۹۳، صحیح مسلم، رقم: ۲۵۹)

وَفِیْ رِوَایَةٍ: "خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ: وَفِّرُوا اللِّحٰی وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ"۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰی لِحْيَتِهٖ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَهٗ۔

(صحیح بخاری، رقم: ۵۸۹۲)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "مونچھوں کو اچھی طرح پست کرو اور ڈاڑھی کو بڑھاؤ"۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ: "مشرکین کی مخالفت کرو: مونچھوں کو پست کرو اور ڈاڑھیاں پوری رہنے دو"۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تھے، تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں لے کر، جو زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے تھے۔

حدیث (۳۵): عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحٰی، وَخَالِفُوا الْمَجُوْسَ"۔

(صحیح مسلم، رقم: ۲۶۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "مونچھیں کتر دو اور ڈاڑھیاں لٹکاؤ اور مجوسیوں (یعنی آگ کے پجاریوں) کی مخالفت کرو"۔

= جس طرح قمیص پہننا زینت میں داخل ہے اسی طرح ٹوپی یا عمامہ پہننا بھی زینت میں داخل ہے؛ لہٰذا جس طرح بغیر قمیص پہنے نماز پڑھنا خلاف زینت ہونے کی وجہ سے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، اسی طرح بلا سر ڈھانکے نماز پڑھنا بھی خلاف زینت ہونے کی وجہ سے ناپسندیدہ اور مکروہ ہوگا۔ یہی علمائے اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

حدیث (۳۶): عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ، وَالسِّوَاكُ، وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ، وَ قَصُّ الْأَظْفَارِ، وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ، وَنَتْفُ الْإِبْطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ، وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ"۔ قَالَ الرَّاوِي: وَنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ، إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ الْمَضْمَضَةَ۔ (صحیح مسلم، رقم: ۲۶۱)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: (۱) مونچھیں کاٹنا (۲) ڈاڑھی بڑھانا (۳) مسواک کرنا (۴) ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا (۵) ناخن تراشنا (۶) بدن کے جوڑوں کو دھونا (۷) بغل کے بال اکھاڑنا (۸) زیر ناف بال مونڈنا (۹) پانی سے استنجا کرنا۔

راوی کہتے ہیں کہ: میں دسویں چیز بھول گیا، البتہ ممکن ہے کہ وہ کلی کرنا ہو۔[1]

---

(۱) حدیث ۳۴ اور ۳۵ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بصیغۂ امر ڈاڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے، اور امر وجوب کے لئے آتا ہے؛ لہٰذا چاروں ائمہ اس پر متفق ہیں کہ ڈاڑھی بڑھانا واجب ہے، کٹانا جائز نہیں۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر تمام علماء حتی کہ اصحاب ظواہر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، چناں چہ علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

"و کان من عادة الفرس قص اللحية، فنهى الشارع من ذلك و أمر بإعفائها"۔

مجوسیوں کی عادت ڈاڑھی منڈانے کی تھی؛ اس لئے شارع نے اس سے منع کیا اور ڈاڑھی بڑھانے کا حکم دیا۔ (نیل الاوطار ۱/ ۱۰۷)

اور ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں:

"فرض قص الشارب وإعفاء اللحية"۔

مونچھ کترنا اور ڈاڑھی بڑھانا فرض ہے۔ (المحلی بالآثار ۲/ ۳۲۰)

حدیث ۳۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی رکھنا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا عمل نہیں تھا، بلکہ تمام انبیاء سابقین بھی ڈاڑھی رکھتے تھے۔

"جامع ترمذی" (رقم: ۲۷۶۲) میں عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی میں سے طول اور عرض دونوں میں سے کچھ حصہ کاٹ دیا کرتے تھے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ ڈاڑھی بڑھانے کی ایک حد ہے، ڈاڑھی کا جو حصہ اس حد سے زائد ہو اس کو کاٹنے کا حکم ہے، اور اس حد تک پہنچنے سے پہلے کٹانا جائز نہیں۔

وہ حد کیا ہے؟ مندرجہ ذیل روایات سے اس کی تعیین ہوتی ہے: =

= امام محمد رحمہ اللہ ''کتاب الآثار'' (ص:۱۹۸، ط: ادارۃ القرآن کراچی) میں فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَقْبِضُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ، ثُمَّ يَقُصُّ مَا تَحْتَ الْقُبْضَةِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ڈاڑھی کو مٹھی میں لیتے، پھر مٹھی سے نچلے حصے کو کاٹ دیتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت پر جس شدت اور اہتمام کے ساتھ عمل کرتے تھے وہ محتاج بیان نہیں، اس کے پیش نظر وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک مشت ڈاڑھی رکھتے تھے۔

''مصنف ابن ابی شیبہ'' (رقم: ۲۵۹۹۲) میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّهُ كَانَ يَقْبِضُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ، فَيَأْخُذُ مَا فَضَلَ عَنِ الْقُبْضَةِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ڈاڑھی کو مٹھی میں لے کر، جو اس سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیا کرتے تھے۔

ایک طرف حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم نقل کرتے ہیں، اور دوسری طرف ان کا عمل یہ ہے کہ وہ ایک مشت ڈاڑھی رکھ کر باقی کاٹ دیا کرتے تھے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ منشاء نبوی یہی تھا کہ ایک مشت ڈاڑھی رکھی جائے، اور ایک مشت سے زائد حصے کو کاٹ دیا جائے۔

اور ''سنن ابوداؤد'' (رقم: ۴۲۰۱) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام کا بھی عمل نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں: كُنَّا نُعْفِي السِّبَالَ، إِلَّا فِيْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ۔

ہم لوگ ڈاڑھی کے اگلے اور لٹکنے والے حصے کو بڑھا ہوا رکھتے تھے؛ مگر حج اور عمرہ میں۔ یعنی حج اور عمرہ سے فارغ ہو کر جو حصہ ایک مشت سے زائد ہوتا اسے کاٹ دیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس کی صراحت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے:

''كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَهٗ''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تھے، تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں لے کر، جو زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے تھے۔ (صحیح بخاری، رقم: ۵۸۹۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کا منڈانا حرام ہے، ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے کٹوانا بالاتفاق ناجائز ہے۔ کسی بھی صحابی سے منقول نہیں کہ ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے کسی نے کٹائی ہو، منڈانے کا تو وہاں سوال ہی نہ تھا، اور اسی پر اجماع ہے۔

''حدیث فطرت'' کی تشریح:

فطرت: شریعت کی اصطلاح میں انسان کے اُن خصوصی صفات اور امتیازی نشانات کا نام ہے جو انسانی

= جبلت وفطرت کے عین مطابق ہوں، اور اس سے فرد یا قوم کی ممتاز شخصیت بنتی ہو اور اللہ پاک نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ امت مسلمہ کو حکم دیا ہو کہ تم اپنی شخصیت ان صفات کے ذریعہ بنا کر دنیا کی دیگر اقوام سے ممتاز ہو جاؤ۔ اسلام میں اس طرح کی بہت سی چیزیں ہیں، حدیث ۳۶ میں اس طرح کی دس چیزیں بیان کی گئی ہیں، ذیل میں ان کی مختصر تشریح ذکر کی جاتی ہے:

۱-مونچھ تراشنا: احناف کے نزدیک افضل اور راجح یہ ہے کہ

(۱) مونچھیں اتنی کاٹ لی جائیں کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے۔ (درمختار)

(۲) اور ایک قول یہ ہے کہ کاٹ کر بھوؤں کے مانند بنا دے۔ (فتاوی عالم گیری)

(۳) اور ایک قول یہ ہے کہ پوری مونچھ کتر کر پست کر دی جائیں۔ (بذل المجہود)

اور مونڈنے کے متعلق دو قول ہیں: (۱) مونڈنا بدعت ہے۔ (۲) مونڈنا سنت ہے۔ لیکن دوسرا قول مرجوح ہے۔ اور تحقیقی بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ مونڈنا بدعت نہیں، البتہ سنت کترنا ہے اور وہ بھی مبالغہ کے ساتھ، اس طرح کہ تمام بال اس طرح پست کر دیئے جائیں کہ مونڈنے کے قریب ہو جائے۔ مستحب یہ ہے کہ مونچھ کی دائیں جانب سے کترنے کی ابتداء کی جائے۔ (ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں، ص: ۳۴)

۲-ڈاڑھی بڑھانا: ڈاڑھی کے متعلق تفصیلی بحث ماقبل میں گزر چکی ہے۔

۳-ناخن تراشنا: ناخن تراشنے کا کوئی خاص طریقہ مروی نہیں ہے، جس طرح چاہے، جس انگلی سے چاہے شروع کر سکتا ہے اور جس پر چاہے ختم کر سکتا ہے، البتہ دائیں ہاتھ سے شروع کرنا سنت ہے۔ (بذل المجہود ۱/ ۳۳)

اولی اور بہتر یہ ہے کہ ناخن کاٹنے کے بعد دفن کر دے، اگر دفن نہ کرے تو کسی ایسی جگہ ڈال دے جہاں پیر نہ پڑیں، استعمال کی جگہ میں ڈالنا مضر ثابت ہو سکتا ہے۔ "فتاوی رحیمیہ" (۱/ ۱۲۲) میں ہے کہ: کٹے ہوئے بال اور ناخن پھینکنا بھی جائز ہے۔

۴-بغل کے بال لینا: بغل کے بال مونڈنا اور اکھاڑنا دونوں حسن ہیں۔ (شامی)؛ لیکن احادیث میں بغل کے بالوں کے متعلق "نتف" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی: اکھاڑنے اور نوچنے کے ہیں، اس لئے افضل اکھاڑنا ہے۔ البتہ اگر عادت نہ ہونے کی وجہ سے اکھاڑنے کی ہمت نہ ہو تو پھر مونڈنا بھی جائز ہے۔ (نووی)

دائیں بغل سے ابتداء کرنا مستحب ہے۔ نورہ اور بال صاف کرنے والے صابن سے بھی بغل کے بال صاف کرنا جائز ہے۔ (مغنی ۱/ ۸۷)

۵-زیر ناف بال مونڈنا: محققین کے بیان کے مطابق مرد اور عورت کی اگلی پچھلی دونوں شرم گاہ "عانہ" کا مصداق ہے؛ لہٰذا اگلی پچھلی دونوں شرم گاہوں پر اگنے والے بالوں کو مونڈنے کا حکم ہے۔

اولی اور افضل یہ ہے کہ استرہ یا بلیڈ وغیرہ لوہے کی کسی چیز سے بال مونڈے جائیں۔ لیکن کترنا، چونا اور

= صابن وغیرہ سے صاف کرنا بھی جائز ہے۔ عورتوں کے لئے اکھاڑنا سنت ہے۔ (شامی) البتہ اگر درد وغیرہ کا احتمال ہو تو پھر نورہ، صابن وغیرہ سے صاف کرنا اولی ہے۔ زیر ناف بالوں کے مونڈنے کی ابتداء ناف کے نیچے سے کرنی چاہئے۔

مونچھیں کترنا، ناخن تراشنا، بغل کے بال صاف کرنا اور زیر ناف بال مونڈنے کے متعلق مستحب یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک بار صفائی کرے، افضل جمعہ کا دن ہے۔ پندرہ بیس روز میں ایک بار صفائی کرے تو بھی جائز ہے۔ البتہ چالیس دن سے زائد صفائی نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، جس کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

۶- مسواک کرنا: علماء نے لکھا ہے کہ مسواک کرنا یوں تو ہر وقت میں مستحب اور اجر و ثواب کا باعث ہے؛ لیکن پانچ موقعوں پر مسواک کرنے کی زیادہ اہمیت ہے: (۱) وضو میں (۲) نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت، اگر وضو اور نماز کے درمیان زیادہ فصل ہو گیا ہو، (نیز مسواک کرنے سے دانتوں سے خون نکلنے کا اندیشہ نہ ہو)۔ (۳) قرآن کریم کی تلاوت کے لئے (۴) سونے سے اٹھنے کے وقت (۵) منہ میں بدبو پیدا ہو جانے یا دانتوں کے رنگ میں تغیر آجانے کے وقت۔ (معارف الحدیث ۳/۵۷)

اصل سنت درخت کی مسواک ہے، وہ میسر نہ ہو، یا دانت نہ ہوں، یا دانت یا مسوڑوں کی خرابی کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہو تو ضرورۃً ہاتھ کی انگلی، موٹے کھردرے کپڑے، منجن، ٹوتھ پیسٹ یا برش سے بھی مسواک کا کام لیا جا سکتا ہے؛ مگر مسواک کے ہوتے ہوئے مذکورہ چیزیں مسواک کی سنت ادا کرنے کے لئے کافی نہیں، اور مسواک کی سنت کا پورا اجر حاصل نہ ہوگا۔ (فتاوی رحیمیہ ۱/۱۲۶)

۷- ناک کی صفائی کرنا: اسلام میں بدن کے ہر عضو کی صفائی مطلوب ہے؛ لیکن بعض اعضاء جو محل کثافت ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر ان کی صفائی کا حکم دیا ہے، منہ اور ناک کی صفائی بھی اسی قبیل سے ہے۔

ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا وضو میں سنت اور غسل میں فرض ہے۔ ناک کی صفائی کے لئے بایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہئے۔

۸- جوڑوں کا دھونا: بدن کے جوڑ اور بدن کا ہر وہ حصہ جہاں میل جمنے کا احتمال ہو، اس کو صاف رکھنا بھی امور فطرت میں شمار کیا گیا ہے اور یہ حکم نظافت بدن کے لئے دیا گیا ہے۔

۹- انتقاص الماء: اس کے تین معنی بیان کئے گئے ہیں: (۱) پانی سے استنجا کرنا، اگر نجاست مخرج سے نہ بڑھی ہو تو استنجا کرنا سنت ہے اور امور فطرت میں سے ہے، اور اگر نجاست مخرج سے بڑھ گئی ہے تو اس کا حکم دیگر نجاستوں کے مانند ہے، یعنی پانی سے دھونا ضروری ہے۔ (۲) شرم گاہ کو پانی سے دھو کر پیشاب کی آمد کا سلسلہ بند کرنا۔ (۳) وضو سے فارغ ہو کر شیطانی وساوس سے بچاؤ کے لئے ہاتھ تر کر کے شرم گاہ پر پانی کے چھینٹے ڈالنا۔ جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

۱۰- کلی کرنا: کلی کرنا بھی نظافت اور طہارت کے لئے ہے۔ کلی کرنا وضو میں سنت اور غسل میں فرض ہے۔

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کا حکم

حدیث (۳۷): عَنْ عَائِشَةَ: "أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، فَتَزَوَّجَتْ، فَطُلِّقَتْ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ؟ قَالَ: لَا، حَتّٰى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ"۔

(صحیح بخاری، رقم: ۵۲۶۱، صحیح مسلم، رقم: ۱۴۳۳)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، اس نے (دوسرے شخص سے) نکاح کرلیا، پھر اس کو (وہاں سے بھی) طلاق ہوگئی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا گیا کہ کیا وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگئی؟ آپ نے فرمایا کہ: نہیں، یہاں تک وہ (دوسرا شوہر صحبت کرکے) اس کا مزہ چکھ لے، جیسا کہ پہلے شوہر نے چکھا ہے۔

حدیث (۳۸): عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ -فِيْ قِصَّةِ عُوَيْمِرٍ الْعَجْلَانِيِّ-: "فَتَلَاعَنَا، فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ تَلَاعُنِهِمَا، قَالَ عُوَيْمِرٌ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا، فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ"۔

(صحیح بخاری، رقم: ۵۳۰۸، صحیح مسلم، رقم: ۱۴۹۲)

وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ: "فَطَلَّقَهَا ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَأَنْفَذَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ"۔

(سنن ابوداود، رقم: ۲۲۵۰)(۱)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے -عویمر عجلانی ؓ کے قصے میں- مروی ہے کہ دونوں میاں بیوی نے لعان کیا، جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہوگئے، تو حضرت عویمرؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر اب میں اس کو اپنے پاس رکھوں تو یہ اس پر جھوٹی تہمت لگانے کے

(۱) علامہ شوکانی "نیل الاوطار" (۶/۲۸۷) میں فرماتے ہیں: "اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں"۔ نیز شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

مرادف ہوگا، پھر عویمرؓ نے اس سے پہلے کہ آپ ﷺ ان کو کوئی حکم دیتے اس کو تین طلاق دیدی۔

اور ''ابوداؤد'' کی روایت میں ہے کہ: عویمرؓ نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، اور آپ نے ان کی طلاق کو نافذ کیا۔

حدیث (۳۹): عَنِ ابْنِ عُمَرَ -فِي حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ- قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَوْ طَلَّقْتُهَا ثَلاثًا كَانَ لِيْ أَنْ أُرَاجِعَهَا؟ قَالَ: ''إِذًا بَانَتْ مِنْكَ، وَكَانَتْ مَعْصِيَةً''۔
(معجم کبیر طبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ۴/ ۳۳۶)(۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے -ایک طویل حدیث میں- مروی ہے کہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیدوں تو کیا میرے لئے اس سے رجعت کرنا جائز ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اُس وقت تو وہ تم سے بائنہ ہوجائے گی، لیکن ایسا کرنا گناہ ہے۔

حدیث (۴۰): عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ -فِي حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ- قَالَ: سَمِعْتُ جَدِّيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ''أَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ تَطْلِيْقَةً أَوْ عِنْدَ كُلِّ شَهْرٍ تَطْلِيْقَةً، أَوْ طَلَّقَهَا ثَلاثًا جَمِيْعًا، لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ''۔
(سنن دار قطنی، رقم: ۳۹۲۷، ۳۹۲۸، معجم کبیر طبرانی، رقم: ۲۷۵۷، سنن کبری بیہقی ۷/ ۳۳۶، یہ حدیث صحیح ہے)(۲)

ترجمہ: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے -ایک طویل حدیث میں- مروی ہے کہ: میں نے اپنے نانا رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو شخص اپنی بیوی کو تین

---

(۱) علی بن سعید رازی کے علاوہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، علی بن سعید رازی مختلف فیہ راوی ہے، دار قطنی نے اس کے متعلق ''لیس بذاک'' کہا ہے، جب کہ دیگر ائمہ نے اس کو عظیم راوی قرار دیا ہے، نیز اسرائیل بن یونس نے ثقہ اور امام ذہبی نے اس کو حافظ کہا ہے۔ (میزان الاعتدال ۳/ ۱۳۱) لہٰذا یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی ضرور ہوگی۔

(۲) علامہ ابن رجب نے اپنی کتاب ''بیان مشکل الاحادیث'' میں لکھا ہے کہ: ''اس کی سند صحیح ہے''۔ (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۱۵۵، ط: اشرفی دیوبند) اور علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' (۴/ ۳۳۹) میں لکھا ہے کہ: ''اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں میں کچھ ضعف ہے؛ لیکن ان کی توثیق کی گئی ہے''۔

طلاق دے اس طرح کہ یا تو ہر طہر میں ایک طلاق دے یا ہر مہینے کے شروع میں ایک طلاق دے، یا ایک ساتھ تین طلاق دے، تو وہ عورت اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔ (۱)

☆.................☆.................☆

☆.................☆
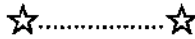
مؤلف کی دیگر تالیفات

(۱) یہ تمام احادیث صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے، خواہ الگ الگ مجلسوں میں دے یا ایک مجلس میں، تو تینوں طلاق واقع ہوجائیں گی، اور اب حلالۂ شرعیہ کے بغیر یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ حلالۂ شرعیہ کی صورت یہ ہے کہ: یہ عورت عدت گزارنے کے بعد، کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے، پھر شوہر ثانی صحبت کرنے کے بعد اس کو طلاق دے یا مرجائے، پھر یہ عورت اس کی عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرے۔

صحابہ میں سے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت انسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت حسن بن علیؓ، تابعین میں سے عبداللہ بن معقل، قاضی شریح، ابراہیم نخعی، مکحول، قتادہ، امام عامر شعبی، امام زہری، حسن بصری، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، حمید بن عبدالرحمن، مصعب بن سعید، ابو مالک، عبداللہ بن شداد، عطاء بن ابی رباح، امام جعفر صادق، عمر بن عبدالعزیز، سلیمان اعمش، محمد بن سیرین اور مسروق رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور یہی رائے ائمہ اربعہ: امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی ہے۔

دروس ہدایۃ النحو: یہ علم نحو کی مشہور کتاب "ہدایۃ النحو" کی اپنی نوعیت کی منفرد شرح ہے، جس میں "ہدایۃ النحو" کے مختلف نسخوں کو سامنے رکھ کر متن کی تصحیح، عبارت کا سلیس ترجمہ، عام فہم انداز میں اختصار و جامعیت کے ساتھ عبارت کی تشریح و تسہیل، مثالوں پر قواعد کو منطبق کرنے کا التزام، کتاب میں آئی ہوئی مثالوں، اشعار اور آیات قرآنیہ کی ترکیب نحوی اور عبارت کی تصحیح میں کام آنے والے نحوی اصول و قواعد جمع کرنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ صفحات: ۴۳۲

دروس علم الصیغہ مع خاصیاتِ ابواب: یہ علم صرف کی معروف و مشہور کتاب "علم الصیغہ" کی تسہیل و تکمیل ہے، جس میں "علم الصیغہ" کی سلیس اور شستہ اردو زبان میں ترجمانی، موقع بموقع ضروری اور مفید اضافے، قواعد میں آئی ہوئی مثالوں اور گردانوں کے مشکل صیغوں کی صاف اور واضح تعلیل و تخفیف وادغام، غیر معرف اصطلاحات کی آسان اور جامع تعریفات اور آخر میں بطور تکملہ کے "فصولِ اکبری" سے خاصیاتِ ابواب کی بحث ضروری تشریح و توضیح کے ساتھ لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ صفحات: ۲۰۸

تسہیلِ فارسی: یہ "تیسر المبتدی" کی ترتیب پر فارسی اصول و قواعد پر مشتمل ایک جامع کتاب ہے، جس میں فارسی صرف و نحو کے تمام ضروری قواعد "میزان" و "نحومیر" کے طرز پر اس انداز سے لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے کہ یہاں یاد کئے ہوئے اصول و قواعد اور تعریفات آگے "میزان" و "نحومیر" میں بھی کام آئیں، ہر سبق کے بعد تمرین بھی دی گئی ہے، تاکہ یہیں سے طلبہ اصطلاحات کی شناخت و اجراء اور نحوی ترکیب کرنے کے عادی ہوں۔ صفحات: ۱۱۰

نحومیر اردو مع تمرین و تعلیق: اس میں عام فہم اردو زبان میں "نحومیر" کی ترجمانی، غیر معرّف اصطلاحات کی جامع تعریفات، حسب ضرورت جا بجا تشریحی اضافے، قواعد کو سمجھانے کے لئے ہر سبق کے بعد آسان تمرینات، اسماء اعداد کی بحث، اجراء کے اہم اور نفع بخش طریقے اور ترکیب نحوی کے ضروری اصول و ضوابط نہایت دل نشیں انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ صفحات: ۹۶

پنج گنج اردو مع مفید حواشی: اس میں "پنج گنج" کی آسان اور سہل اردو میں ترجمانی، قواعد کی مثالوں اور گردانوں کے مشکل صیغوں کی تعلیل و تخفیف، حسب ضرورت مفید امور اور ضروری اصول و قواعد کا اضافہ، غیر مکمل گردانوں کی تکمیل اور اس طرح کی تقریباً وہ تمام چیزیں لانے کا التزام کیا گیا ہے جو "پنج گنج" کو حل کرنے اور سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔ (زیر طبع)

مؤلف کی دیگر تالیفات

درس ھدایۃ النحو: یہ علم نحو کی مشہور کتاب "ہدایۃ النحو" کی اپنی نوعیت کی منفرد شرح ہے، جس میں "ہدایۃ النحو" کے مختلف نسخوں کو سامنے رکھ کر متن کی تصحیح، عبارت کا سلیس ترجمہ، عام فہم انداز میں اختصار و جامعیت کے ساتھ عبارت کی تشریح و تسہیل، مثالوں پر قواعد کو منطبق کرنے کا التزام، کتاب میں آئی ہوئی مثالوں، اشعار اور آیات قرآنیہ کی ترکیب نحوی اور عبارت کی تصحیح میں کام آنے والے نحوی اصول و قواعد جمع کرنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ صفحات: ۳۳۲

درس علم الصیغہ مع خاصیات ابواب: یہ علم صرف کی معروف و مشہور کتاب "علم الصیغہ" کی تسہیل و تکمیل ہے، جس میں "علم الصیغہ" کی سلیس اور شستہ اردو زبان میں ترجمانی، موقع بموقع ضروری اور مفید اضافے، قواعد میں آئی ہوئی مثالوں اور گردانوں کے مشکل صیغوں کی صاف اور واضح تعلیل و تخفیف وادغام، غیر معرف اصطلاحات کی آسان اور جامع تعریفات اور آخر میں بطور تکملہ کے "فصول اکبری" سے خاصیات ابواب کی بحث ضروری تشریح و توضیح کے ساتھ لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ صفحات: ۴۰۹

تسہیل فارسی: یہ "تیسیر المبتدی" کی ترتیب پر فارسی اصول و قواعد پر مشتمل ایک جامع کتاب ہے، جس میں فارسی صرف و نحو کے تمام ضروری قواعد "میزان" و "نحو میر" کے طرز پر اس انداز سے لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے کہ یہاں یاد کئے ہوئے اصول و قواعد اور تعریفات آگے "میزان" و "نحو میر" میں بھی کام آئیں، ہر سبق کے بعد تمرین بھی دی گئی ہے، تاکہ یہیں سے طلبا اصطلاحات کی شناخت واجراء اور نحوی ترکیب کرنے کے عادی ہوں۔ صفحات: ۱۱۰

نحو میر اردو مع تمرین وتعلیق: اس میں عام فہم اردو زبان میں "نحو میر" کی ترجمانی، غیر معرف اصطلاحات کی جامع تعریفات، حسب ضرورت جابجا تشریحی اضافے، قواعد کو سمجھانے کے لئے ہر سبق کے بعد آسان تمرینات، اسماء اعداد کی بحث، اجراء کے اہم اور نفع بخش طریقے اور ترکیب نحوی کے ضروری اصول و ضوابط نہایت دل نشیں انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ صفحات: ۹۶

پنج گنج اردو مع مفید حواشی: اس میں "پنج گنج" کی آسان اور سہل اردو میں ترجمانی، قواعد کی مثالوں اور گردانوں کے مشکل صیغوں کی تعلیل و تخفیف، حسب ضرورت مفید امور اور ضروری اصول و قواعد کا اضافہ، غیر مکمل گردانوں کی تکمیل اور اس طرح کی تقریباً وہ تمام چیزیں لانے کا التزام کیا گیا ہے جو "پنج گنج" کو حل کرنے اور سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔ (زیر طبع)